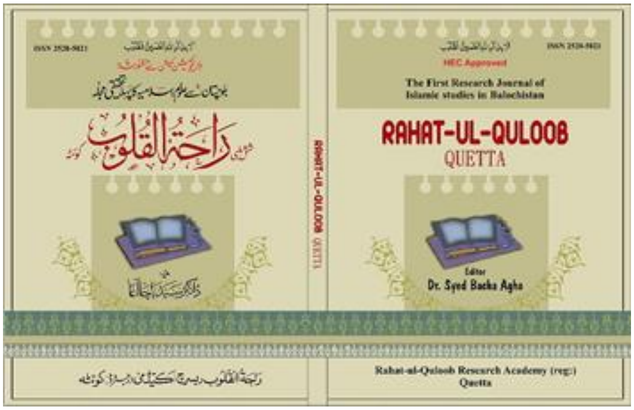

OPEN ACCESS

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

RAHAT-UL-QULOOB

Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869

Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**

Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.

Website: www.rahatulquloob.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

صحیح حدیث کی اصطلاحی تعریف: متقدمین ومتاخرین کی آرا کا تحقیقی مطالعہ

The Terminological Definition of "Sahih Hadith": A Research Study of the Opinions of the Ancient and Later Scholars

AUTHOR

1. Dr. Abdul Rahman A. Lecturer, Department of Islamic studies, University of Gujrat, Gujrat, Pakistan. Email: onlyimran2010@gmail.com
2. Naveed Ahmad. Ph.D Scholar, Department of Hadith, Islamia University of Bahawalpur, Pakistan. Email: Na.bashaar@gmail.com

How to Cite: Dr. Abdul Rahman, & Naveed Ahmed. (2025). URDU: صحیح حدیث کی اصطلاحی تعریف: متقدمین ومتاخرین کی آرا کا تحقیقی مطالعہ: The Terminological Definition of "Sahih Hadith": A Research Study of the Opinions of the Ancient and Later Scholars. *Rahat-Ul-Quloob*, *9*(1), 01-16. Retrieved from https://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/463

http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/463

Vol. 9, No.1 || January–June 2025 || URDU-Page. 01-16

Published online: 28-01-2025

صحیح حدیث کی اصطلاحی تعریف: متقدمین ومتاخرین کی آراکا تحقیقی مطالعہ

The Terminological Definition of “Sahih Hadith”: A Research Study of the Opinions of the Ancient and Later Scholars

عبدالرحمن نویداحمد

ABSTRACT

Sahih Hadith is the second basic source of Islam. Although it has a second rank after the Qur'an in terms of status and status, it is similar to the book of Mubeen in Hajjit and Burhan. Since the time of the Companions, the collection of hadiths is going on and in different ways the fortunate are serving it and making their name immortal in both the worlds. There are many subjects of the Qur'an that the sahih hadith explains, but the details of what the revelation explains in detail and brevity. The Sahih Hadith was defined and explained during the time of the predecessors, however, the latter accomplished this feat by organizing this definition and making it comprehensive and comprehensive, which is the basic condition in the principle of definition. He gave principles for and the latter collected these scattered principles in one place. Initially, there were a few scattered principles of Sahih Hadith and later gradually a comprehensive definition of Sahih Hadith came out, on which scholars stopped. A new dimension of research must be introduced.

Key words: Sahih hadith Term, Research Study, Ancient and Later Scholars.

صحیح حدیث دین اسلام کا دوسرا بنیادی مصدر ہے۔ مقام ومرتبہ اور دیگر لحاظ سے اگرچہ اس کا قرآن مجید کے بعد دوسرا درجہ ہے، لیکن حجیت وبرہان میں کتاب مبین کے ہم مثل ہے۔ صحابہ کرام کے عہد زریں سے احادیث صحیحہ کو جمع کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور مختلف لحاظ سے خوش نصیب اس کی خدمت کرکے دونوں جہانوں میں اپنا نام امر کررہے ہیں۔ قرآن مجید کے کتنے مضامین ایسے ہیں جن کی وضاحت صحیح حدیث کرتی ہے، بلکہ جن باتوں کو وحی جلی اجمال اور اختصار سے بیان کرتی ہے، وحی خفی ان کی تفصیل اور تفسیر کردیتی ہے۔ بایں صورت صحیح حدیث قرآن مجید کا جزولاینفک ہے۔ دین اسلام کی صحیح تعبیر وتشریح جاننے کے لیے صحیح حدیث کے ذخیرہ تک رسائی حاصل کرنا ازبس ضروری ہے۔

صحیح حدیث کی تعریف وتوضیح متقدمین کے دور ہی میں کردی گئی تھی، البتہ متاخرین نے یہ کارنامہ سرانجام دیا کہ اس تعریف کو منظم کیا اور اسے جامع ومانع بنادیا جو کہ تعریف کے اصول میں بنیادی شرط ہے، متقدمین نے صحیح کے لیے اصول دیے اور متاخرین نے ان بکھرے ہوئے اصولوں کو ایک جگہ جمع کردیا۔ صحیح حدیث کے ابتدائی طور پر چند بکھرے اصول تھے اور بعد میں آہستہ آہستہ صحیح حدیث کی ایک جامع ومانع تعریف سامنے آگئی، جس پر آکر اہل علم رُک گئے، صحیح حدیث کی اصطلاحی تعریف سے متعلق متقدمین اور متاخرین کی آرا کا جائزہ لینے سے لازمی طور پر تحقیق کی نئی جہت متعارف ہوگی۔ ذیل میں اسی بارے میں چند تعارفی اور اہم معلومات کو بیان کیا جارہاہے:

صحیح حدیث کا لغوی معنی:

لغت میں صحیح سقیم ومکسور کا متضاد استعمال ہوتا ہے۔ صحیح وسالم ہو۔ نقائص سے پاک چیز کو بھی صحیح کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں تو اس کا اطلاق اجسام پر ہوتا ہے، لیکن بات چیت، عبادات، معاملات اور یگر امور میں اس کا استعمال مجازاًاور استعارہ کے قبیل سے ہے۔ مشہور لغوی ابن منظور کا کہنا ہے: ''والصحيح.....: ما سلم من النقص''[1]

ترجمہ: نقص سے پاک چیز کو صحیح کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن ملقن اس بارے میں کہتے ہیں: ''الصحيح وهو لغة ضد المكسور والسقيم''[2]

ترجمہ: لغت میں صحیح مکسور اور سقیم کا متضاد استعمال ہوتا ہے۔

ابن حجر کے تلمیذ ارشد حافظ سخاوی کہتے ہیں: ''الصحيح.... ضد المكسور والسقيم، وهو حقيقة في الأجسام، بخلافه في الحديث والعبادة والمعاملة وسائر المعاني فمجاز، أو من باب الاستعارة''[3]

ترجمہ: صحیح لغت میں مکسور اور سقیم کی ضد ہے۔ حقیقت میں اس کا استعمال اجسام کے باب میں ہوتا ہے۔ البتہ اس کے برعکس بات چیت، عبادات، معاملات اور باقی تمام معانی میں اس کا استعمال مجاز اور استعارہ کے باب سے ہے۔

مشہور اصولی، ڈاکٹر محمود الطحان اپنی معروف کتاب ''تیسیر مصطلح الحدیث'' میں کہتے ہیں:

''الصحيح: ضد السقيم. وهو حقيقة في الأجسام، مجاز في الحديث، وسائر المعاني.''[4]

ترجمہ: صحیح سقیم کی ضد ہے، حقیقت میں اس کا اطلاق اجسام کے باب میں ہوتا ہے۔ البتہ حدیث اور دیگر تمام معانی میں اس کا استعمال بطور مجاز ہے۔

صحیح حدیث کا اصطلاحی معنیٰ:

صحیح حدیث کی تعریف میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ متقدمین اور متاخرین کے مابین کچھ لفظی اختلاف ہے۔ صحیح حدیث کی شرائط میں کمی وزیادتی بھی نظر آتی ہے۔ متقدمین نے دراصل کچھ اصول دے دیے۔ بعض کے قول سے کوئی ایک اصول اور دوسرے کسی امام کے قول کوئی اصول کشید کیا گیا۔ متاخرین نے یہ محنت کی کہ جب ان کے سامنے متقدمین کی طرف سے صحیح حدیث کے کچھ اصول وضوابط منقول ہو گئے تو انہوں نے ان سب منقولات کو سامنے رکھتے ہوئے جامع ومانع انداز میں تعریفات کیں۔ تفصیل اس امر کی درج ذیل ہے:

صحیح حدیث سے متعلق اولین اصول خطیب بغدادی نے معروف تابعی امام قتادہ بن دعامہ سے سنداً نقل کیا ہے:

«لا يحمل هذا الحديث عن صالح عن طالح ولا عن طالح عن صالح حتى يكون صالح عن صالح»[5]

ترجمہ: صالح راوی کی ضعیف راوی اور ضعیف راوی کی صالح راوی سے روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا، جب تک کہ صالح راوی آگے صالح سے بیان نہ کرے۔

اس قول کو صحیح حدیث کی تعریف تو نہیں کہا جا سکتا، البتہ حدیث صحیح سے متعلقہ ایک اہم اصول ضرور بعد والوں نے کشید کیا ہے، اس لحاظ سے لازمی طور پر متاخرین صحیح حدیث کی تعریف کرنے میں متقدمین ہی کے خوشہ چین ہے۔

امام محمد بن یحییٰ ذہلی سے منقول ہے:

«ولا يجوز الاحتجاج إلا بالحديث الموصل غير المنقطع , الذي ليس فيه رجل مجهول ولا رجل مجروح»[6]

ترجمہ: صرف متصل حدیث سے حجت پکڑی جائے گی، منقطع نہ ہو، نہ ہی اس میں مجہول اور مجروح راوی ہو۔

امام یحییٰ بن محمد بن یحییٰ ذہلی[7] سے مروی ہے: «لا يثبت الخبر عن النبي صلى الله عليه وسلم حتى يرويه ثقة عن ثقة , حتى يتناهى الخبر إلى النبي صلى الله عليه وسلم بهذه الصفة , ولا يكون فيهم رجل مجهول , ولا رجل مجروح , فإذا ثبت الخبر عن النبي صلى الله عليه وسلم بهذه الصفة وجب قبوله والعمل به وترك مخالفته»[8]

ترجمہ: جب تک ثقہ راوی ثقہ سے بیان نہ کرے۔تب تک روایت ثابت (صحیح) نہیں ہوتی۔یہی وصف شروع سند سے آخر سند تک ہونا چاہئے۔اس میں کوئی مجہول اور مجروح راوی نہ ہو۔جب اس وصف سے روایت ثابت ہو جائے تو اس کو قبول اور اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اس حدیث کی مخالفت چھوڑ دی جائے گی۔

اصول حدیث کے بانی امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: ''ولا تقوم الحجة بخبر الخاصة حتى يجمع أمورا: منها أن يكون من حدث به ثقة في دينه، معروفا بالصدق في حديثه، عاقلا لما يحدث به، عالما بما يحيل معاني الحديث من اللفظ، وأن يكون ممن يؤدي الحديث بحروفه كما سمع، لا يحدث به على المعنى، لأنه إذا حدث على المعنى وهو غير عالم بما يحيل به معناه: لم يدر لعله يحيل الحلال إلى الحرام، وإذا أداه بحروفه فلم يبق وجه يخاف فيه إحالته الحديث، حافظا إن حدث به من حفظه، حافظا لكتابه إن حدث من كتابه. إذا شرك أهل الحفظ في حديث وافق حديثهم، بريا من أن يكون مدلسا، يحدث عن من لقي ما لم يسمع منه، ويحدث عن النبي ما يحدث الثقات خلافه عن النبي. ويكون هكذا من فوقه ممن حدثه، حتى ينتهي بالحديث موصولا إلى النبي أو إلى من انتهي به إليه دونه۔''[9]

ترجمہ: کوئی بھی روایت قابل حجت نہیں ہو سکتی، جب تک اس میں درج ذیل امور جمع نہیں ہو جاتے:

- دینی لحاظ سے ثقہ راوی سے روایت بیان کی گئی ہو۔
- راوی کی حدیث میں صداقت معروف ہو۔
- راوی اپنی روایت کو سمجھنے والا ہو۔
- حدیث کے الفاظ میں تغیر سے معنی میں جو تبدیلی ہوتی ہے، اس کو جاننے والا ہو۔
- راوی نے جس طرح روایت کو سنا ہے، بالکل انہیں حروف کے ساتھ روایت کو بیان کرے۔
- روایت بالمعنی نہ کرے، کیونکہ اگر وہ غیر عالم ہو اور لفظی تغیر سے معنی میں جو فرق آئے گا، اس کو نہ جانتا ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی حلال کو حرام سے بدل دے، بایں صورت جب وہ روایت باللفظ کرے گا تو روایت میں تحریف کا خدشہ نہیں ہو گا۔
- روایت کا صحیح حافظ ہو، جب وہ اپنے حافظے سے روایت کو بیان کرے۔جب وہ کسی کتاب سے روایت کرے تو اس کتاب

کا حافظ ہو۔

- جب دیگر حفاظ بھی اس روایت کو بیان کرنے میں اس کے ساتھ شریک ہوں تو روایت میں ان کی موافقت کرے۔
- راوی تدلیس سے بری ہو اور تدلیس یہ ہے کہ وہ ایسے راوی سے بیان کرے جس سے اس کی ملاقات تو ہو، مگر سماع نہ ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے روایت بیان کرنے میں وہ ثقات کی مخالفت کرے۔
- شروع سے آخر تک سند کے راویوں میں یہ اوصاف برابر پائے جائیں۔ یہاں تک کہ نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے ہر لحاظ سے روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

امام بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار کے مقدمہ میں امام شافعی کی اس عبارت کے حوالے سے دعویٰ یہ کیا ہے:

''الأمر في شرط من يقبل خبره عند كافة أهل العلم بالحديث على معنى ما ذكره الشافعي رحمه الله.''[10]

ترجمہ: تمام اہل علم کے نزدیک صحیح روایت کی جو شرائط ہیں، وہ سب بالمعنی وہی ہیں جو امام شافعی نے ذکر کردی ہیں۔

امام الائمہ ابن خزیمہ اپنی حدیث کی معروف کتاب صحیح ابن خزیمہ کے مقدمہ میں ایک تعریف بایں الفاظ کی ہے:

''هو نقل العدل، عن العدل، من غير قطع في الإسناد ولا جرح في رواة الأخبار''[11]

ترجمہ: صحیح روایت درج ذیل شرائط ہیں:

- عادل راوی عادل سے بیان کرے۔
- سند میں کوئی انقطاع نہ ہو۔
- سند کے راویوں پر کوئی جرح نہ ہو۔

امام ابن حبان نے اسی طرح التقاسیم والانواع[12] میں صحیح حدیث کی تعریف فرمائی ہے[13]۔ کتاب الثقات میں ایک جگہ انہوں نے یہ اشارہ بھی دیا ہے کہ انہوں نے ''شرائط الاخبار''[14] کے نام سے الگ اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔[15]

متقدمین کی ان تعریفات کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو صحیح حدیث کی شرائط اور تعریف سے متعلق درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1. سند میں ضعیف راوی نہ ہو۔
2. سند متصل ہو، منقطع نہ ہو۔
3. سند میں مجروح ومجہول راوی نہ ہو۔
4. راوی کی صداقت معروف ہو۔
5. روایت حدیث کے آداب اچھی طرح جانتا ہو۔
6. راویوں سے متعلقہ اوصاف اور شرائط پوری سند میں موجود ہوں۔
7. سند میں کوئی راوی تدلیس کرنے والا نہ ہو، اس کا خاص تعلق علل حدیث کے ساتھ ہے۔

8 کوئی راوی ثقات کی مخالفت کرنے والانہ ہو اور روایت کا متن مقبول ہو۔

اب تھوڑا سا غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صحیح حدیث سے متعلق تمام شرائط اور قواعد وضوابط متقدمین بیان کر چکے ہیں، یہ متاخرین کی کوئی اپنی اختراع نہیں ہے بلکہ وہ تو متقدمین ہی کے علم آگے عام کرنے والے تھے اور انہی کے منہج کا تسلسل تھے۔ متاخرین کا قابل تعریف کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے محدثین کے ایسے قیمتی فوائد مختلف کتابوں سے جمع کیے۔ ان کی تہذیب وتنقیح کی۔ مختلف کتب میں بکھرے جو شذور الذہب تھے، بعد والوں نے انہیں خاص لڑی میں پرو دیا ہے۔ گویا کہ متاخرین نے اپنے اسلاف کے علم کو جلا بخشی۔ نئی زندگی سے نوازا۔ اُمت پر اہل علم کے ان مخفی جواہر ویواقیت کو واضح کیا۔ اب متاخرین کی طرف سے صحیح حدیث کی تعریف ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو متقدمین اور سلف صالحین کے علم کو خوشبو آئے گی۔

آسمان علوم حدیث کے چمکتے ستارے اور اس فن کو نئی زندگی بخشنے والے امام حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں: ''أما الحديث الصحيح: فهو الحديث المسند الذي يتصل إسناده بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط إلى منتهاه، ولا يكون شاذا، ولا معللا.''[16]

ترجمہ: حدیث صحیح سے مراد وہ مسند روایت ہے جو متصل سند اور شروع سے آخر تک عادل وضابط راویوں سے مروی ہو، نیز وہ شاذ اور معلول نہ ہو۔

یہ تعریف مانع تو ہے لیکن جامع نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے ''النکت علی ابن الصلاح'' میں یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ اس تعریف میں بعض زائد الفاظ بیان ہو گئے ہیں[17]۔ گویا کہ حافظ کہنا چاہتے ہیں کہ اس تعریف کو جامع کرنے کی ضرورت ہے۔ حافظ ابن الصلاح کی تعریف کا عمیق انداز سے تنقیدی جائزہ لیا جائے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

1 تعریف میں ''المسند'' کا کلمہ اضافی ہے جس کا مطلب متصل ہی ہے، حالانکہ خود آگے امام صاحب نے ''یتصل اسنادہ'' کا جملہ لکھا ہوا ہے اور تعریف میں لفظوں کا تکرار درست نہیں، کیونکہ یہ اس کی جامعیت کے خلاف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسند کا اضافہ سے امام صاحب کا حدیث مرفوع کی طرف اشارہ کرنا مقصد ہے تو پھر ''الی منتہاہ'' کا جملہ بے مقصد ہو جاتا ہے۔

2 اگر ابن الصلاح کی تعریف میں ''ولا یکون شاذا'' سے متعلق کہا جائے کہ یہ بھی اضافی جملہ ہے، کیونکہ علل قادحہ کے اندر یہ بھی شامل ہے اور ''ولا معللا'' میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ تو یہاں ابن الصلاح پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر شاذ کو علل قادحہ سے الگ ذکر کیا ہے تو پھر مضطرب، مدرج، مدلس اور دیگر علل قادحہ کا یہاں بطور خاص ذکر کیوں نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابن الصلاح کا شاذ کو دراصل بطور خاص الگ ذکر کرنے کا مقصد صحیح حدیث کی تعریف میں محدثین کے منہج کی تائید کرنا ہے اور فقہا اور اصولیوں کے منہج پر رد کرنا اصل مقصود ہے، کیونکہ فقہا اور اصولیوں کے نزدیک صحیح حدیث کے شرائط میں شاذ کے ہونے کی قید نہیں ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''النکت علی ابن الصلاح''[18] میں اور حافظ سخاوی نے ''فتح المغیث''[19] میں اس بات کی وضاحت کر رکھی ہے۔

حافظ ابن حجر نے ابن الصلاح کی تعریف پر اعتراض کرنے کے بعد صحیح حدیث کی درج ذیل الفاظ میں تعریف کی ہے:

''هو الحديث الذي يتصل إسناده بنقل العدل الضبط عن مثله إلى منتهاه ولا يكون شاذا ولا معللا''[20]

ترجمہ: صحیح حدیث وہ ہے جو عادل وضابط راویوں سے متصل سند مروی ہو۔ شروع سے آخر سند تک یہ اوصاف موجود رہیں۔ نیز روایت شاذ اور معلول نہ ہو۔

حافظ ابن حجر کی تعریف جامع ومانع ہے۔ صحیح حدیث کی اضداد کو خارج کردینے والی ہے۔ بعد والے محققین نے زیادہ تر اسی تعریف کو نقل کیا ہے۔ اگرچہ حافظ سیوطی نے اس تعریف کی جامعیت پر اعتراض اٹھایا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''كان الأفضل أن يقول بنقل الثقة؛ لأنه من جمع العدالة والضبط، والتعاريف تصان عن الإسهاب.''[21]

ترجمہ: تعریف میں عدالت اور ضبط کو جمع کردینے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ کہہ دیتے: ثقہ ثقہ سے نقل کرے۔ کیونکہ تعاریف طوالت سے پاک ہونی چاہئیں۔

لیکن حافظ سیوطی کا یہ اعتراض درست نہیں ہے بلکہ ان کے اعتراض پر خود اعتراض لازم آئے گا۔ کیونکہ ''العدل الضبط'' کی بجائے اگر تعریف میں ''ثقہ'' کا لفظ شامل کرلیں، اس سے تعریف جامع تو ہو جائے گی، مگر اس کی مانعیت پر حرف آئے گا، اس لیے کہ محدثین کے نزدیک ثقہ کا اطلاق غیر ضابط راوی پر بھی ہوتا ہے۔ اس وقت ثقہ کہنے سے راوی کی دینی ثقاہت مقصود ہوتی ہے۔ حافظ ذہبی نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ متاخرین کے نزدیک اس کلمہ کے اطلاق میں کافی وسعت آگئی ہے۔ ان کے نزدیک اگر کسی راوی کا اپنے شیخ سے سماع درست ہے، تب بھی اس کو ثقہ کہہ دیتے ہیں، اگرچہ وہ راوی سیئ الحفظ ہو۔ غفلت کا شکار ہو اور علم حدیث سے لاعلم ہو۔

حافظ ذہبی نے ابن خلاد راوی سے متعلق خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے: كان لا يعرف شيئا من العلم، غير أن سماعه صحيح وقال أبو نعيم: كان ثقة. وكذا وثقه أبو الفتح بن أبي الفوارس[22]

ترجمہ: اس راوی کو علم حدیث کی کچھ بھی معرفت نہیں تھی، مگر یہ کہ اس کا اپنے شیخ سے سماع درست ہے۔ ابو نعیم نے اس راوی کو ثقہ کہا ہے اور اسی طرح ابو الفتح بن ابو الفوارس نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔

بعض اوقات ایک ضعیف راوی کو محدثین دینی ثقاہت مدنظر رکھتے ہوئے ثقہ کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ امام یعقوب بن شیبہ نے ربیع بن صبیح کے بارے میں کہا ہے: ''رجل صالح صدوق ثقة ضعيف جدا''[23]

یہ دینی لحاظ سے نیک، سچا اور امانت دار آدمی ہے۔ مگر سند حدیث میں سخت ضعیف ہے۔

متقدمین اور متاخرین کے نزدیک صحیح حدیث کی تعریف:

متقدمین نے صحیح حدیث کی معرفت کے لیے اہم اصول وضوابط دیے ہیں۔ متاخرین نے ان کی روشنی میں صحیح حدیث کی تعریف کو جامع ومانع انداز سے منظم اور مرتب کیا ہے۔ حقیقت میں دونوں کی تعریف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کچھ تعاریف میں الفاظ زیادہ ہیں۔ بلکہ امام شافعی نے ایک تفصیل کے ساتھ صحیح حدیث کا تعارف کروایا ہے۔ اصل میں وہ وقت اصول دین کے لحاظ سے ابتدائی تھا بلکہ امام شافعی اصول فقہ اور اصول حدیث کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ یوں ان کی کلام بھی لازمی طور پر ترتیب وتزئین اور تنقیح کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ حقیقت میں تو یہی لوگ اس ذخیرہ حدیث کا مختلف لحاظ سے دفاع کرنے والے ہیں۔ متاخرین نے یہ عظیم الشان کارنامہ اپنے نام کیا کہ انہوں نے ان کوششوں کو جو مختلف

کتابوں میں مختلف انداز سے بکھری ہوئی تھیں۔ منظم و مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ الغرض متقدمین اور متاخرین کے نزدیک صحیح حدیث کی تعریف میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں ہے۔ بعض تعریفات میں جو کچھ اضافہ ہے تو اس سے مراد یہی ہے کہ بعض اہل علم نے روایت حدیث کے متعلقہ آداب کو اس میں ذکر کر دیا ہے، حالانکہ وہ صحیح حدیث کی شرائط میں سے نہیں ہیں۔ البتہ بعض اہل علم نے کچھ اضافی شرطیں لگائی ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1 راوی طلب حدیث اور اس میں مشغولیت کے حوالے سے معروف ہو۔ امام مالک، عبداللہ بن عون اور امام حاکم نے یہ شرط لگائی ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ ضبط کی شرط اس سے مستغنی کر دیتی ہے۔[24]

2 راوی میں حدیث کے فہم و بصیرت، کثرت سماع اور مذاکرہ کی صفت موجود ہو۔ امام سمعانی نے یہ شرط لگائی ہے۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ علت سے سلامت کی شرط اس سے مستغنی کر دیتی ہے۔[25]

3 راوی معانی حدیث کا علم رکھتا ہو۔ حافظ سیوطی کا کہنا ہے: یہ شرط لازمی ہے، لیکن ضبط کی شرط میں یہ داخل ہے۔[26]

4 راوی کا فقیہ ہونا شرط ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ نے شرط لگائی ہے۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ مطلق طور پر نہیں، البتہ تفرد کے وقت یہ شرط ہو سکتی ہے۔[27]

5۔ ہر راوی کی روایت پر دو عدد لوگوں کی گواہی ضروری ہے، یہ بعض معتزلہ کی طرف سے شرط لگائی جاتی ہے۔ حافظ ابن العربی نے اس نکتہ نظر کو باطل قرار دیا ہے۔[28]

خلاصہ کلام یہی ہے کہ صحیح حدیث کی درج ذیل پانچ شرائط سامنے آتی ہیں:

(1) اتصال سند (2) عدالت رواۃ (3) ضبط رواۃ

(4) سند و متن شذوذ سے سلامت (5) سنداً و متن علت قادحہ سے سلامت

شرائط صحیح حدیث کی وضاحت

صحیح حدیث کی شرائط خمسہ کے حوالے سے ضروری وضاحت فرداً فرداً حسب ذیل ہے:

(۱) اتصال سند

راوی کا اپنے شیخ سے بلا واسطہ روایت کرنا اتصال کہلاتا ہے، جیسا کہ معروف لغوی و اُصولی عالم، علامہ عبدالرؤف مناوی کہتے ہیں:

والمتصل هو ما أي حديث سلم إسناده من سقوط فيه، بحيث يكون كل من رجاله سمع ذلك المروي من شيخه بلا واسطة[29]

ترجمہ: متصل سند اسی کو کہتے ہیں، جو انقطاع سے محفوظ ہو، یہاں تک کہ تمام رواۃ سند نے اپنے شیخ سے بلاواسطہ سماع کر رکھا ہو۔

معرفت اتصال کے طریقے:

سوال تو ذہن میں گردش کرتا ہے کہ اگر صحیح حدیث کی شرائط میں اتصال سند شامل ہے تو اس کی معرفت و پہچان کے طریقے کیا ہیں، جن کے ذریعے انسان جان لے کہ کیا سند متصل ہے یا نہیں؟ اہل علم نے اس حوالے سے تین طریقوں کی طرف رہنمائی کی ہے:

(ا) تصریح (ب) ترجیح (ج) استنباط

(ا) تصریح:

تصریح کاادراک درج ذیل دوطریقوں سے ہوگا:

1 اصول حدیث کا کوئی ماہر امام صراحت سے بتادے کہ فلاں راوی نے فلاں سے سماع کررکھاہے، یافلاں راوی کی فلاں راوی سے روایت متصل ہوتی ہے۔

2 راوی کی طرف خود صراحت ہوجائے کہ اس نے اپنے شیخ سے سماع کررکھاہے، جیساکہ حدثنی فلاں، سمعت فلاناً، سألت فلاناًاورلقیت فلاناًوغیرہ کے صیغوں کااستعمال کردے۔

ان دوطریقوں سے بھی سماع کی تصریح ہوتی ہے،اس کے لیے تین شرائط ہیں:

1 جس ماہرامام نے کسی راوی سے متعلق صراحت کی ہے کہ فلاں کی روایت فلاں سے متصل ہے، وہ قول باسند صحیح ثابت ہو۔

2 راوی اگراپنے سماع کی تصریح خود کرے تووہ وہم کاشکاراور کذاب نہ ہو۔

3 راوی کی تصریح اگراس فن کے عظیم المرتبت ائمہ کے خلاف ہے توراوی کی اپنی تصریح تصحیف وتحریف ہوسکتی ہے۔ ترجیح ماہرین فن کے اقوال کودی جائے گی۔

(ب) ثبوت اتصال بطریق ترجیح:

اتصال کی معرفت کا یہ طریقہ کچھ یوں ہے کہ ایک راوی کے بارے میں ائمہ کرام کے اقوال مختلف ہوجائیں۔ بعض نے کہیں کہ فلاں راوی نے فلاں سے سماع کررکھاہے اور کچھ اس بات کااظہار کریں کہ فلاں راوی نے فلاں شیخ سے کوئی سماع نہیں کیا۔اب ایک معروف قاعدہ ''المثبت مقدم علی النافی''کاسہارالے کر کہاجائے گاکہ جن ائمہ کرام نے سماع ثابت کیاہے،وہ راجح ہے، جنہوں نے عدم سماع کی بات کی ہے،ان کے قول کوعدم علم پر محمول کرکے مرجوح سمجھاجائے گا۔

تنبیہ: ''المثبت مقدم علی النافی'' قاعدہ اگرچہ مسلمہ ہے، لیکن اس کاہرگزیہ مطلب نہیں کہ اگرایک طرف جلیل القدراور حالات رواۃ کا وسیع مطالعہ رکھنے والے دوامام ہیں اور دوسری طرف ان علمائے کرام کے اقوال ہوں، جواس فن میں ماہر نہیں توایسی صورت میں ترجیح ماہرین فن کو قول دی جائے گی۔[30]

(ج) ثبوت اتصال بطریق استنباط:

استنباط کے ذریعے اتصال سند کی معرفت کی دوصورتیں ہیں:

پہلی صورت: بڑے واضح قرائن سے ثابت ہو کہ فلاں راوی نے اپنے شیخ سے سماع کررکھاہے اور ان کی ملاقات کاامکان موجود ہے، لیکن اس طریقے سے اتصال سند کوثابت کرنے کی ایک شرط ہے:

کسی ماہر امام نے اس راوی کے شیخ سے سماع پر اعتراض نہ کیا ہو۔ مثلاً: راوی اور اس کا شیخ ایک ہی کے شہر میں رہے ہوں۔ دونوں کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات اور باقی حالات سے واضح ثابت ہو رہا ہو کہ اگر انہوں نے ایک طویل وقت فلاں علاقے اور شہر میں گزارا ہو تو لازمی طور پر دونوں کا سماع بھی ہوگا اور ملاقات بھی ہوئی ہوگی، اب ایک طرف ان قرائن سے اس اتصال سند کو ثابت کرنے کا استنباط کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف ایک ماہر امام صراحت کردے کہ فلاں راوی نے فلاں شیخ سے کوئی سماع نہیں کیا تو استنباط کے مقابلے میں تصریح کو ترجیح دی جائے گی۔

دوسری صورت: اگر ایک روایت پر ماہر حدیث صحیح اور متصل ہونے کا حکم لگا رہے ہیں تو لازمی طور پر اس سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ اس روایت کی سند کے جتنے بھی رواۃ ہیں، ان میں سے ہر ایک کا اپنے شیخ سے سماع ثابت اور صحیح ہے۔ اس صورت سے خاص طور پر تب فائدہ اٹھایا جاتا ہے جب کسی راوی کے حوالے سے کوئی صراحت موجود نہ ہو کہ کیا فلاں راوی کا اپنے شیخ سے سماع ہے یا نہیں؟[31]

اتصال سند کی شرط سے خارج روایات:

جب صحیح حدیث کی شرط میں اتصال سند کو شامل کیا جاتا ہے تو اس سے انقطاع کی تمام ظاہری اور مخفی اقسام خارج ہو جاتی ہیں، جن میں معلق، مرسل، معضل، منقطع، مدلس اور ارسال خفی وغیرہ شامل ہیں۔

(۲) عدالت رواۃ:

عادل راوی کی اہل علم نے متعدد درج ذیل تعریفات کر رکھی ہیں:

1 جو واجبات اسلام کی بجاآوری کرے اور محرمات کو چھوڑ دے۔

2 جو روایت حاصل کرنے کی مکمل قدرت رکھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ تقویٰ اور خوارم المروءۃ[32] کی پاسداری کرے۔[33]

3 اعلانیہ کبائر کا مرتکب نہ ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرے۔

4 جس راوی میں شر کی بجائے خیر کا پہلو غالب ہو۔[34]

5 جو کبائر کو ترک کردے اور اس کی حسنات سیئات پر غالب ہوں۔[35]

6 اطاعت الٰہی کے کاموں میں اکثر وہ پیش پیش ہو۔[36]

7 مسلمان، بالغ، عقل مند، اسباب فسق سے محفوظ اور خوارم المروءۃ کا پابند ہو۔[37]

متعدد تعریفات کے الفاظ کچھ حد تک ضرور مختلف ہیں، لیکن مفہوم اور مراد سب کی قریب قریب ہے۔ البتہ اسلام کی شرط روایت کرتے وقت تو ہے، لیکن روایت حاصل کرتے وقت اسلام کی شرط نہیں ہے[38]۔ اسی طرح بلوغ کی شرط ہے، اس پر اعتراض ہے، کیونکہ کئی ایک صحابہ کرام نے بلوغت سے پہلے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات سنی تھیں، جنہیں انہوں نے بعد میں بیان بھی کیا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ ابوسعید خدری اور سیدنا حسنین کریمین کی مثالیں معروف ہیں۔

عدالت رواۃ کی معرفت کے طریقے:

راوی کا عادل ہونا درج ذیل طریقوں سے پہچانا جاسکتا ہے:

1 ائمہ کرام کے ہاں اس کا علم وفضل معروف ہو، جیسے امام بخاری وغیرہ۔

2 جرح وتعدیل کے ماہر ائمہ اس راوی کے بارے میں صراحت کردیں کہ فلاں راوی عادل ہے۔

3 راوی کے حالات زندگی پڑھ کر بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

4 اصل میں تو مسلمان عادل ہوتا ہے، اگر ائمہ نے اس پر واضح جرح نہ کی ہو تو یہ بھی اس راوی کی تعدیل کو ثابت کرتی ہے۔

5 بخاری ومسلم جس سے روایت لے لیں۔

ان کے اور بھی کئی ایک طریقے ہیں، جن کے ذریعے راوی کی عدالت کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔[39]

(۳) ضبط رواۃ:

ضبط کی دو قسمیں ہیں: (ا) ضبط الصدر (ب) ضبط الکتاب

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

''هما ثبتان ثبت حفظ وثبت كتاب''[40] حفظ اور کتاب دونوں اعتبار سے یہ راوی مضبوط ہیں۔

(ا) ضبط الصدر

ضبط الصدر سے مراد یہ ہے کہ راوی نے جو سماع کیا ہے، اس کو اچھی طرح یاد رکھے۔ جب بھی اس سے بیان کرنے کا مطالبہ کیا جائے، تب وہ سنی ہوئی بات کو من وعن بیان کرنے کا ملکہ رکھتا ہو، جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''ضبط صدر: وهو أن يثبت ما سمعه بحيث يتمكن من استحضاره متى شاء.''[41]

ترجمہ: ضبط صدر سے مراد یہی ہے کہ راوی اپنی سنی ہوئی بات کو اچھی طرح یاد رکھے اور ہر وقت اس کو بیان کرنے کی مکمل استطاعت رکھے۔

وضاحت:

اگر ایک راوی روایت سن کر یاد کرلی تو گویا وہ ضبط الصدر کی صفت سے متصف ہو گیا۔ البتہ وہ اس بات کو ایک عرصہ یاد رکھتا ہے اور اس کے بعد اسے آگے بیان کرنے کی بھی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں تو اس شخص کا ضبط بہترین سمجھا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی بعد میں بھول گیا۔ یا اگر کسی نے چھوٹی عمر میں بات کو سنا تھا۔ بعد میں وہ اسے بھول گیا تو اب اندازے سے روایت بیان نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسے راوی کو روایت کو قبول کیا جائے گا۔ ضبط الصدر صرف اسی شخص کا مقبول ہو گا جو بات کو یاد بھی رکھے اور پھر آگے بیان کرنے کی مکمل صلاحیت رکھے۔

ضبط الصدر کی معرفت

کسی راوی کے حوالے سے مکمل ضبط الصدر کی معرفت درج ذیل باتوں سے معلوم ہو گی:

1 راوی کا ضبط الصدر ائمہ جرح وتعدیل میں مشہور ومعروف ہو۔ یہ ضبط کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔

2 راوی کے حفظ واتقان سے متعلق ماہرین فن کی طرف سے تزکیہ کیا گیا ہو۔

3 راوی کی روایات کو جمع کیا جائے اور ان کا معروف ثقات کی مرویات سے مقارنہ کیا جائے۔

4 راوی کے حوالے سے اہل علم نص قائم کر دیں کہ فلاں راوی ثقہ ہے اور اس کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو یہ اس کے ضبط الصدر کو واضح کرتا ہے۔

(ب) ضبط الکتاب

ضبط الکتاب سے مراد یہ ہے کہ جب سے اس نے کتاب میں روایات کو لکھا ہے اور شیخ پر پیش کر کے اس کی تصحیح بھی کروالی ہے تو اس وقت سے کتاب کی مکمل حفاظت کرے، اس میں کسی قسم کی تحریف وتصحیف نہ ہونے دے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: وضبط کتاب: وهو صيانته لديه منذ سمع فيه وصححه إلى أن يؤدي منه.''[42]

ترجمہ: ضبط الکتاب سے مراد یہ ہے کہ جب سے اس نے سنا ہے اور شیخ سے تصحیح کروائی ہے، تب سے اس کی حفاظت کرے، یہاں تک کہ آگے بیان کر دے۔

ضبط الصدر کی معرفت

کسی راوی کے حوالے سے مکمل ضبط الصدر کی معرفت درج ذیل باتوں سے معلوم ہو گی:

1 کسی ماہر کی طرف سے نص قائم ہو جائے کہ فلاں راوی صحیح الکتاب ہے۔ محدثین کے نزدیک اس کی روایت حکم کا درجہ رکھتی ہو۔

2 ثقہ راوی خود سے صراحت کرے، گویا کہ وہ کہے: جب میری کتاب میرے پاس ہوتی ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میرے دائیں بائیں کونسے ائمہ کرام ہیں۔

3 نص سے معلوم ہو کہ راوی کی اصل کتاب شیخ پر پیش ہوئی ہے اور انہوں نے اس کی تصدیق و تصحیح کر دی ہے۔

4 مرویات معروف ثقات کے موافق ہوں۔ شاذ روایات نہ ہوں۔

سند و متن شذوذ سے سلامت:

صحیح حدیث کی شرائط میں سے سند و متن کا شذوذ سے پاک ہونا بھی ہے۔ شاذ کی راجح تعریف درج ذیل ہے:

''أن الشاذ: ما رواه المقبول مخالفا لمن هو أولى منه''[43]

ترجمہ: مقبول راوی کی اپنے سے بہتر راوی کی مخالفت کو شاذ کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس تعریف کے بارے میں کہا ہے:

''وهذا هو المعتمد في تعريف الشاذ، بحسب الاصطلاح.''

ترجمہ: اصطلاح کے لحاظ سے شاذ کی یہ متعمد علیہ تعریف ہے۔

مخالفت سے مراد سند اور متن دونوں میں مخالفت کرنا ہے۔ مقبول سے مراد صحیح حدیث کے راوی ہیں۔''لمن هو أولى منه'' سے مراد وصف اور تعداد دونوں مراد ہیں۔ عدالت اور ضبط سے اعتبار سے راوی اولیٰ ہو سکتا ہے اور تعداد کے لحاظ سے بھی یہ بہتری مراد ہو سکتی ہے۔

شاذ کی تعریفات کا تنقیدی جائزہ

بعض اہل علم نے شاذ کی تعریف ''مخالفة الثقة للثقات'' کے الفاظ میں کی ہے، حالانکہ اس تعریف پر درج ذیل اعتراضات ہیں:

1 ثقہ سے قید صدوق راوی خارج ہوتا ہے جس کی روایت حسن درجہ کی ہوتی ہے، حالانکہ اگر وہ بھی ثقہ کی مخالفت کرے گا تو روایت شاذ کہلائے گی۔

2 لفظ ''ثقات'' جمع کا صیغہ ہے، جس سے ایک یا دو ثقہ راوی خارج ہو جائیں گے، حالانکہ اگر ثقہ اپنے سے اولیٰ ایک ثقہ کی بھی ایسی مخالفت کرے گا جس کی توجیح نہیں ہو سکتی تو وہ بھی شاذ ہی کہلائے گی۔

دوسری تعریف ''مخالفة الثقة لمن هو أولى منه'' تعریف کی گئی ہے، لیکن اس پر وہی اعتراض موجود ہے جو پہلی تعریف پر وارد ہوتے ہیں۔ شاذ کی اور بھی تعریفات کی گئی ہیں، لیکن سب سے زیادہ جامع اور مانع تعریف حافظ ابن حجر کی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔

سند و متن علت سے سلامت:

صحیح حدیث کے لیے سند و متن کا علت قادحہ سے سلامت ہونا ہے۔ علت سے مراد یہاں وہ مخصوص علت قادحہ ہے جو صحت حدیث کو متاثر کرے، حالانکہ حدیث کی سند اور متن ظاہری لحاظ سے سلامت نظر آئیں۔ ڈاکٹر نور الدین عتر لکھتے ہیں:

''والعلة: سبب خفي غامض يطرأ على الحديث فيقدح في صحته.''[44]

ترجمہ: علت سے مراد حدیث پر طاری ہونے والا وہ مخفی سبب ہے جو اس کی صحت کو مقدوح بنا دے۔

سبب خفی کی قید سے ظاہری عیوب خارج ہو جاتے ہیں جن میں راوی کا ضعف، جہالت اور سند کا انقطاع وغیرہ شامل ہیں۔

علت قادحہ کی قید سے غیر قادحہ علتیں خارج ہو جاتی ہیں، جن میں راوی کا وہ اختلاف شامل ہوتا ہے جس میں ترجیح اور جمع و تطبیق کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ علت کی دو قسمیں ہیں۔(ا) علت قادحہ (ب) علت غیر قادحہ

جب صحیح حدیث کی شرائط کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس سے مراد علت قادحہ ہی ہوتی ہے، جس سے مراد راوی کا ایسا اختلاف ہوتا ہے جس میں جمع و تطبیق کی صورت ممکن نہیں ہوتی۔

نتائج بحث:

1 متقدمین نے صحیح حدیث کی اصطلاحی تعریف کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی کلام میں یہ اُصول بکھرے ہوئے ملتے ہیں، الغرض ان کی بیان کردہ صحیح حدیث کی اصطلاحی تعریف مانع تو ہے مگر جامع نہیں۔

2 متاخرین نے صحیح حدیث کی اصطلاحی تعریف میں کوئی نیا یا اختراعی اصول بیان نہیں کیا، البتہ انہوں نے متقدمین کی بکھری ہوئی آرا کو جمع کیا ہے اور تنقیح و تہذیب کے ساتھ آگے پیش کر دیا ہے، الغرض انہوں نے اصطلاحی تعریف کو مانع کیساتھ ساتھ جامع بنانے کا

اعزاز حاصل کیاہے۔

3 حافظ ابن حجر نے صحیح حدیث کی جو اصطلاحی تعریف: ''صحیح حدیث وہ ہے جو عادل وضابط راویوں سے متصل سند مروی ہو۔ شروع سے آخر سند تک یہ اوصاف موجود رہیں۔ نیز روایت شاذ اور معلول نہ ہو۔'' کی ہے، محققین اس پر آکر ٹھہر گئے ہیں اور آج تک محققین اسی کو راجح کہہ رہے ہیں، اس پر کوئی نیا اضافہ نہیں کیا گیا۔

حوالہ جات

[1] محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ط:1414ھ:508/2

[2] عمر بن علی ابن ملقن، المقنع فی علوم الحدیث، دار فواز للنشر، سعودی عرب۔ ط:اولی،1413ھ:41/1

[3] محمد بن عبدالرحمن سخاوی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للعراقی، مکتبۃ السنۃ، مصر۔ط:اولی،2003ء:27/1

[4] محمود بن احمد الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع۔ ط: عاشرہ،2004ء، ص:44

[5] احمد بن علی خطیب بغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، المکتبۃ العلمیۃ، مدینہ منورہ، ص:20

[6] ایضاً

[7] ابھی اوپر جس امام محمد بن یحییٰ ذہلی کا قول نقل کیاہے، یہ اسی جلیل القدر امام کے جلیل القدر بیٹے ہیں۔ گویا باپ اور بیٹا دونوں بلند مرتبہ کے محدث اور امام تھے۔

[8] حوالہ سابق

[9] محمد بن ادریس شافعی، الرسالۃ، ت: احمد محمد شاکر۔ مکتبہ، حلبی، مصر۔ط:اولی،1940ء، ص:369

[10] احمد بن حسین بیہقی، معرفۃ السنن والآثار، جامعۃ الدراسات الاسلامیہ، کراچی، پاکستان۔ط:اولی،1991ء:132/1

[11] محمد بن اسحاق ابن خزیمہ، صحیح ابن خزیمہ، تحقیق: محمد مصطفی اعظمی۔ المکتب الاسلامی، بیروت، بتصرف یسیر:3/1

[12] یہی کتاب صحیح ابن حبان کے نام سے معروف ہے۔ مصنف کے مطابق اس کی الگ ترتیب تھی۔ لیکن بعد میں علامہ امیر الدین ابن بلبان فارسی نے اس کو معروف حدیثی انداز میں مرتب کیاہے، جس کا نام انہوں نے ''الاحسان فی تقریب ابن حبان'' رکھاہے اور اہل علم میں زیادہ اب یہی معروف ہے۔

[13] محمد ابن حبان، الاحسان فی تقریب ابن حبان، ترتیب: ابن بلبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ط:اولی،1988ء:104/1

[14] لیکن ابھی تک اس کتاب کا کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا اصل مخطوط کہاں ہے؟

[15] محمد ابن حبان، الثقات، دائرۃ المعارف العثمانیۃ بحیدرآباد دکن، ہند۔ط:اولی،1973م،ج1،ص12۔امام صاحب کی اصل عبارت یہ ہے: ''فذكرت هذه المسألة بكمالها بالعلل والشواهد والحكايات في كتاب شرائط الأخبار''

[16] عثمان بن عبدالرحمن ابن الصلاح، معرفۃ انواع علوم الحدیث (المعروف: مقدمۃ ابن الصلاح)، ت: نور الدین عتر۔ دار الفکر، سوریا، دار الفکر معاصر، بیروت۔ط:1986ء، ص:11۔12

[17] احمد بن علی ابن حجر، النکت علی کتاب ابن الصلاح۔ عمادۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیۃ، مدینہ منورہ۔ط:اولی،1984ء، ص:234

[18]ایضا: ص654۔ حافظ ابن حجر کی اصل عبارت یہ ہے: ''والفقهاء وأهل الأصول لا يقولون بذلك''۔ ترجمہ: فقہااور اصولیوں کا یہ مؤقف نہیں ہے۔

[19]سخاوی، فتح المغیث، ج1، ص13۔ حافظ سخاوی کی اصل عبارت یہ ہے: ''ومن المسائل المختلف فيها مما إذا أثبت الراوي عن شيخه شيئا فنفاه من هو أحفظ أو أكثر عددا، أو أكثر ملازمة منه، فإن الفقيه والأصولي يقولان: المثبت مقدم على النافي فيقبل. والمحدثون يسمونه شاذا; لأنهم فسروا الشذوذ المشترط نفيه هنا بمخالفة الراوي في روايته من هو أرجح منه، عند تعسر الجمع بين الروايتين'' ترجمہ: اصول حدیث کے مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ جب ایک راوی اپنے شیخ سے کسی بات کو ثابت کرے، دوسری طرف اس کی بہ نسبت بڑے حفاظ، زیادہ تعداد اور شیخ کے ساتھ زیادہ وقت ساتھ رہنے والے اس بات کی نفی کریں۔ فقہااور اصولی اس بارے میں کہتے ہیں کہ مثبت کو منفی کا مقدم کیا جاتا ہے، اس قاعدہ کی وجہ سے اس ثابت بات کو قبول کیا جائے گا۔ (اگرچہ اس سے بڑے حفاظ کی مخالفت لازم آئے) دوسری طرف محدثین کرام ایسی روایت کا نام شاذ رکھتے ہیں۔ وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ جب وہ شذوذ ایسا ہو کہ جب راوی اپنی روایت میں مرجح کی مخالفت کرے اور ان مخالف روایات میں جمع و تطبیق کی صورت بھی مشکل ہو۔ (تب وہ مخالفت شاذ کہلائے گی اور اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔)

[20]ایضاً، ص417۔ اکثر مباحثین حافظ کی نسبت سے صحیح حدیث کی تعریف میں الفاظ تو یہی نقل کرتے ہیں، لیکن ان الفاظ کی نسبت نزھۃ النظر کی طرف کرتے ہیں، یہ تسامح ہے۔ حقیقت میں نزھۃ النظر میں حافظ نے جو تعریف کی ہے، وہ بطور خاص صحیح لذاتہ کی ہے۔ حافظ کے الفاظ ملاحظہ کیجیے: '' وخبر الآحاد: بنقل عدل تام الضبط، متصل السند، غير معلل ولا شاذ هو الصحيح لذاته'' یہاں پھر حافظ نے صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ کی تقسیم کر کے دونوں میں واضح کر دیا ہے۔ مشہور عرب عالم ڈاکٹر ربیع بن ہادی مدخلی نے ''النکت علی ابن الصلاح'' کی تحقیق میں یہ علمی نکتہ اٹھایا ہے کہ النکت میں تو حافظ نے ابن الصلاح پر اعتراض اٹھایا ہے، لیکن نزھۃ النظر میں صحیح کی تعریف کرنے میں ابن الصلاح کی موافقت کی ہے اور ''نزھۃ النظر'' کتاب ''النکت'' سے پہلے کی ہے، جیسا ''نزھۃ النظر'' ہی میں ایک جگہ (ص ۱۰۰) واضح اشارہ موجود ہے۔ لگتا یہی ہے کہ حافظ نے اپنی رائے بدل کر ابن الصلاح سے مکمل اتفاق کر لیا تھا۔

[21]عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی۔ دار طیبہ، ریاض، سعودی عرب، ج1، ص61

[22]محمد بن احمد ذہبی، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، ط: 1985ء، ج16، ص69۔ حافظ ذہبی نے خود اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: ''قلت: فمن هذا الوقت بل وقبله صار الحفاظ يطلقون هذه اللفظة على الشيخ الذي سماعه صحيح بقراءة متقن، وإثبات عدل، وترخصوا في تسميته بالثقة، وإنما الثقة في عرف أئمة النقد كانت تقع على العدل في نفسه، المتقن لما حمله، الضابط لما نقل، وله فهم ومعرفة بالفن، فتوسع المتأخرون.'' ترجمہ: ''میرا کہنا ہے کہ اس وقت بلکہ اس سے پہلے ہی حفاظ نے اس لفظ ''ثقہ'' کا اطلاق اس راوی پر کرنا شروع کر دیا ہے کہ جس کا اپنے شیخ سے متقن قرأت اور اثبات عدل کے ساتھ سماع درست ہو تو ایسے راوی کو وہ ثقہ کہنے کی رخصت دے دیتے ہیں۔ حالانکہ اہل نقد ائمہ کے نزدیک ثقہ صرف وہی راوی ہوتا ہے، جو بذات خود ثقہ ہو۔ سماع کے وقت بھی متقن ہو۔ نقل کرتے ہوئے ضابط ہو اور اس فن کی فہم و بصیرت رکھتا ہو۔ مگر متاخرین نے آکر اس لفظ کو وسیع کر دیا۔'' اسی نکتہ نظر کو کچھ تفصیل اور براہین قاطعہ کے ساتھ محقق العصر علامہ عبدالرحمن بن یحییٰ معلمی یمنی نے بھی اپنی کتاب ''التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الاباطیل''(259/1۔ المکتب الاسلامی۔ ط: ثانیہ، 1986ء) میں ذکر کیا ہے۔

[23]احمد بن علی ابن حجر، تهذيب التهذيب، مطبعة دائرة المعارف النظامية، ہند۔ ط: الاولیٰ، 1326ھ، ج3، ص248

[24]سیوطی، تدریب الراوی فی تقریب شرح النواوی، ج2، ص68۔ یادرہے کہ حافظ سیوطی اس کتاب میں جہاں "شیخ الاسلام" کہتے ہیں تو اس سے مراد حافظ ابن حجر ہوتے ہیں۔

[25]حوالہ سابق

[26]ایضاً، ج2، ص69

[27]ایضاً

[28]ایضاً، ج2، ص70۔ اس بارے میں مزید تفصیل جاننے کے لیے حافظ سیوطی کی مذکورہ کتاب ملاحظہ کیجیے۔

[29]عبدالرؤف بن تاج العارفین مناوی، الیواقیت والدرر فی شرح نخبۃ ابن حجر، مکتبہ الرشد، ریاض، ط: اولی، 1999ء، ج1، ص39

[30]علامہ ابوالحسن مصطفی بن اسماعیل سلیمانی نے "الجواہر السلیمانیۃ شرح المنظومۃ البیقونیۃ" (دار الکیان للطباعۃ والنشر والتوزیع، ریاض، سعودی عرب۔ ط: اولی، 2006ء، ص37) میں اس پر بالتفصیل علمی بحث کی ہے۔

[31]اصول حدیث کی بڑی کتب میں یہ بحث موجود ہے، البتہ ڈاکٹر نور الدین عتر نے "منہج النقد فی علوم الحدیث" (دار الفکر، دمشق، سوریا۔ ط: ثالثہ، 1981ء، ص: 365-396) میں یہ بحث بہت علمی انداز میں رقم کی ہے۔ تفصیل کا طالب اس کتاب کو ملاحظہ کرے۔

[32]عرف میں جو چیزیں معیوب سمجھی جاتی ہیں، ان سے بچنا "خوارم المروءۃ" کہلاتا ہے، اگرچہ وہ شرعا جائز ہی کیوں نہ ہوں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں (المروءۃ وخوارمہا، از علامہ مشہور بن حسن، دار ابن عفان، قاہرہ، مصر۔ ط: 2000ء، ص15)

[33]پہلی دو تعریفات حافظ ابن حجر نے "النزھۃ النظر" (ص: 83) میں ذکر کی ہیں۔

[34]علامہ صنعانی نے یہ تعریف "ثمرات النظر فی علم الاثر" (دار العاصمۃ للنشر والتوزیع، ریاض۔ ط: اولی، 1996ء، ص58) میں بیان فرمائی ہے۔

[35]فقیہ الامت امام شافعی نے یہ تعریف کی ہے۔ دیکھیں: "ثمرات النظر فی علم الاثر"، ص72-73

[36]امام ابن حبان نے "صحیح ابن حبان" (250/1) میں یہ تعریف بیان کی ہے۔

[37]ابن الصلاح، التقیید والایضاح، ص136

[38]ذہبی، الموقظۃ، ص61

[39]تفصیل دیکھیں: سلیمانی، الجواہر السلیمانیۃ شرح المنظومۃ البیقویۃ، ص55-60

[40]ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج5، ص260

[41]ابن حجر۔ نزھۃ النظر، ص: 69۔ حافظ نے تعریف میں "متی شاء" کا جملہ کہا ہے، یہ "متی طلب" سے زیادہ بہتر اور فصیح ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر راوی سے روایت سنانے کا مطالبہ کیا جائے تو اگر وہ کسی تنگی کی وجہ سے جان بوجھ کر روایت بیان نہ کرے تو ہرگز یہ نہیں کہا جائے گا کہ راوی ضابط نہیں ہے۔

[42]حوالہ سابق

[43]ابن حجر، نزھۃ النظر، ص85

[44]نور الدین عتر، منہج النقد فی علوم الحدیث، ص447